

حضرت العلامة مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی

دَوَامِ حَدِیث

مولانا سندھی صاحب کے

مغالطات

اصول اربعہ کا ذکر

سندھی صاحب نے جو اس تعبیر کی مخالفت کی ہے یہ دراصل تعبیری اختلاف ہے نہ حقیقی اور اس تعبیری اختلاف میں سندھی صاحب منفرد نہیں بلکہ اصول فقہ میں بھی اس سے بحث کی گئی ہے اس تعبیری اختلاف سے اصول فقہ کے ائمہ کے ہاں اصل مسئلہ (کہ ان ادلہ سے استدلال درست ہے اور یہ حجت ہیں) پر کوئی نزو نہیں پڑتی، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اجماع کے بعد کسی سند کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سند اگر قیاس ہے تو وہ کتاب و سنت سے ہی ماخوذ ہے۔ اگر سند کتاب و سنت سے ماخوذ ہے تو ظاہر ہے کہ صرف دو چیزیں باقی رہیں۔ اور سندھی صاحب کے قول کے مطابق چونکہ سنت قرآن سے ماخوذ ہے اگرچہ وحی باطنی کی مدد سے ہے تو اصل صرف قرآن ہوا مسلم الثبوت میں ایک قدم آگے رکھنے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن بھی فرع ہے کیونکہ اصل حکم کلام نفسی سے ہے اور قرآن اس پر دال ہے۔ پھر جواب دیل ہے کہ قرآن کو فرع نہ کہنا اس لیے ہے کہ دال کو عین مدلول قرار دیا ہے۔

بعض حنفیہ نے جو کہا ہے کہ قیاس منظر ہے نہ سنت اور اجماع عینی سنت اور اجماع قرآن کی طرح اصل ہیں۔ اس کا جواب مسلم الثبوت میں اس طرح دیا ہے کہ قیاس کا فرع ہونا زیادہ واضح

ہے در نہ سنت اور اجماع بھی فرع ہیں اور اصل مطلق صرف قرآن ہے۔ مگر ان کا یہ مطلب نہیں کہ سنت، اجماع یا قیاس سے استدلال کرنا جائز نہیں یا وقتی ہے بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ قرآن اصل ہے اور باقی چیزیں اس کی فرع ہیں مگر سندھی صاحب کی عبارت سے وقتی ہونے کا وہم پڑتا ہے، ہاں ایک بات جو سندھی صاحب نے غلط فہمی کا موجب بن سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اجماع کی خاص تعریف کرتے ہیں اور امت کے نزدیک اجماع کی تعریف اس سے عام ہے۔ چنانچہ دیکھتے ہیں کہ:-

”اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا غلبیت کے فیصلوں کا نام ہے۔“

اور امت کے ہاں:-

”اجماع کسی زمانہ کے تمام مجتہدین امت کے متفقہ فیصلے اور عمل کا نام ہے اگر ایک بھی مخالف ہو تو اجماع منعقد نہیں ہوتا۔ اور اس کی سند ضرور ہونی چاہیے یعنی کتاب و سنت یا استنباط سے۔“

جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے:-

اتفقوا علی القول بالاجماع الذی مستندہ الكتاب والسنة او الاستنباط من احدهما ولم یجبوا القول بالاجماع الذی لیس مستند الی احدهما

امت اس اجماع کی حجت پر متفق ہے جس کی سند کتاب و سنت یا ان سے کسی سے استنباط کرنے پر ہو۔ امت اس اجماع کی قائل نہیں جس کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو۔

نور اللذکار ص ۲۳۱ میں ہے:-

واشترط اجماع الكل و خلا في الواحد مانع كخلا في الاكثر

اجماع کے حجت ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ سب (مجتہدین امت) متفق ہوں۔ اگر ایک شخص بھی مخالف ہوگا تو وہ اسی طرح ہے جیسے اکثر مخالف ہوں یعنی اس صورت میں اجماع منعقد نہیں ہوگا۔

پس جو اجماع امت نے ذکر کیا ہے وہ ایک دائمی حجت ہے بخلاف اس اجماع کے جو سندھی صاحب نے بیان کیا ہے جس میں غلبیت کے فیصلے بھی شامل ہیں اور ان کی حجت نہیں بلکہ ایک وقتی چیز ہے

کیونکہ اکثریت کے فیصلوں کا اعتبار غالباً وہاں ہوتا ہے جہاں کتاب و سنت میں حکم نہ ملے اور سیاسی مصلحت کا تقاضا ہو کہ فروری کارروائی کی جائے۔ اس صورت میں اگر اتفاقاً نہ ہونے والا محالہ اعلیت کے فیصلوں پر عمل کیا جائے گا۔ مگر یہ چیز کوئی دائمی نہیں ہوگی۔

شاہ ولی اللہ نے خلافت راشدہ کے متعلق ازالۃ الخفاء ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ :

جب خلیفہ راشد تمام اہل علم یا اکثر اہل علم کے مشورہ سے حکم دے اور وہ حکم مسلمانوں میں جاری کر دیا جائے تو وہ بھی حق ہوتا ہے۔ جن حدیثوں میں اکثریت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے ان کا بھی محمل بنایا ہے اور جمہوریت کی اتباع کا لازمی اور دائمی ہونا صرف خلافت راشدہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

یہ مسئلہ اور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت راشدہ کی اکثریت کا فیصلہ بھی اجماع کی طرح دائمی حجت ہے نہ بعد کی اکثریت کا۔ خلافت راشدہ کے بعد کسی اور خلافت یا حکومت یا مارت کا حکم وقتی ہوگا، نہ دائمی۔

اسی طرح سندھی صاحب نے سنت کا معنی لینے میں دوزنگی اختیار کی ہے۔ کبھی سنت سے مراد حدیث لی ہے اور کبھی سنت ان فیصلوں کا نام رکھا ہے جو مشورے کے ساتھ اتفاق سے یا اکثریت کے رائے سے کیے گئے ہوں۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ سنت قرآن سے مستنبط ہے، سنت سے حدیث مراد لیتے ہیں اور کبھی جماعت کے فیصلوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں کا نام رکھتے ہیں جو آپ نے صحابہ کے مشورہ سے کیے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ :

”ہم سنت ان تہدیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء ثلاثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔“ (۲۶۴)

اس عبارت میں استنباط کے مسئلہ کو چھوڑ دیا ہے یعنی مستنبط چیز کو سنت نہیں کہا بلکہ جو کلام مرکزی جماعت کے مشورے سے ملے پاتے اس کو سنت کہا اور خلفاء کے فیصلوں کو بھی سنت کہا۔ مگر پہلے اور دوسرے معنی کے احکام الگ الگ ہیں۔ پہلے معنی کے

اعتبار سے دائمی حجت ہے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے وقتی ہے۔ سنت کا دوسرا معنی اس قسم کا ہے کہ عموماً اس میں وقت و مکان کا عنصر نہ ہو بلکہ عموماً اس میں وقت و مکان کا عنصر نہ ہو بلکہ عموماً اس میں وقت و مکان کا عنصر نہ ہو بلکہ عموماً اس میں وقت و مکان کا عنصر نہ ہو۔

سے طے کریں یا خلفاء مرکز جماعت کے مشورہ سے طے کریں۔ یہ سنت وقتی ہوگی مگر جس وقت اس کی علت اور حکمت دائمی ہو تو دائمی ہوگی مگر کسی سنت کے اجراء کا فیصلہ ہو یا سنت سے ایسے مسئلہ مستنبط کا اجراء جو علت کے دوام بنا پر دائمی حکم رکھتا ہو تو اس صورت میں سنت وقتی نہیں ہوگی۔

نیز یہاں سندھی صاحب سے ایک اور اختلاف واقع ہوا ہے کہ۔
”سنت ہمارے فقہاء حنفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں مشترک

مانتے ہیں اور یہی ہماری رائے ہے۔“

یہاں ایک اور مسئلہ ہے جو اصول حدیث میں مذکور ہے کہ کسی صحابی یا تابعی کی کلام میں لفظ سنت واقع ہو تو اس جگہ وہ حدیث مرفوع ہوگی یا نہیں۔ اہل حدیث کا یہی مذہب ہے کہ تابعی یا صحابی یہ کہے کہ یہ کلام سنت ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور حنفیہ کہتے ہیں یہ لفظ مشترک ہے لہذا اس حدیث کا مرفوع ہونا مشتبہ ہے پس سنت کے لفظ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اگر سنت کا لفظ منقید ہو جیسے سنت رسول یا سنت خلفاء یا سنت صحابہ یا سنت ابوبکر تو اس صورت میں جس کا ذکر ہوگا وہ سنت اسی کی ہوگی۔

اس جگہ سندھی صاحب نے ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔

پھر کسی امر کا وقتی یا غیر وقتی ہونا اس کے حجت ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ محض اس بنا پر کوئی مسئلہ دائمی یا وقتی نہیں بن جاتا جب تک اس کے دائمی یا وقتی ہونے کے دلائل نہ ہوں۔ صرف کسی مسئلہ کا قیاسی ہونا کسی مسئلہ کو وقتی نہیں بنادیتا جیسے خرک بحث میں ہم کہہ چکے ہیں کہ بھنگ کی حرمت اگر خر پر قیاس کر کے ثابت کی جائے تو بھنگ کی حرمت دائمی ہوگی اور جو احکام بنا بر ضرورت ہیں وہ ضرورت کے اٹھ جانے سے اٹھ جائیں گے۔

یہاں ایسے مسائل بھی نہیں جن کے متعلق ان کی علت یا نفی علت کا کوئی پتہ نہیں۔ پس ایسے احکام الفاظ کے تابع ہوں گے۔ اگر الفاظ سے دوام مفہوم ہوتا ہے تو وہ احکام دائم ہوں گے۔ اگر الفاظ سے وقتی ہونے کا پتہ چلتا ہے تو وقتی ہوں گے۔ عموماً عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان میں تعینات کی وجہ صرف تشریعی حکمتیں اور ایسے امور ہوتے ہیں جن کو صرف

عقل سے معلوم کرنا مشکل ہے۔ اس لیے یہ امور قطعاً دائمی ہوتے ہیں۔ پس عدم دوام کا علم محض اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی تصریح ہو یا اس کی علت ایسی ہو جو دائمی نہ ہو، وقتی ہو۔ عام طور پر وہ احکام جن کا تعلق عبادات سے ہے دائمی ہوتے ہیں کیونکہ ان کی علت متعین نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو وہ دوام کی مؤید ہوتی ہے اور ان کے الفاظ میں عموماً وقت کا تعین نہیں ہوتا اور غیر عبادات میں جہاں علت بدیہی ہو یا منصوصہ ہو اور وہ علت وقتی ہو وہاں حکم وقتی ہو گا۔ اور اس کا پتہ لگانا ماہرین شریعت پر کوئی مخفی نہیں ہے۔

پس سندھی صاحب کے مضمون میں بہت سے امور خلاف واقع ہیں جو درج ذیل ہیں:-

- ۱۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف یہ نسبت کرنا کہ کل سنت قرآن سے مستنبط ہے، غلط ہے
- ۲۔ سنت صرف اتفاق یا اعلیت کے فیصلوں کو قرار دینا صحیح نہیں ہے۔
- ۳۔ سنت کو بالکل وقتی قرار دینا درست نہیں ہے۔

۴۔ سندھی صاحب کی کلام میں تعارض ہے، کبھی سنت سے حدیث مراد لیتے ہیں اور کبھی صرف باہمی مشورے سے اتفاق یا اعلیت کے فیصلوں کو سنت قرار دیتے ہیں۔

۵۔ کبھی سنت کو وحی باطنی اور وحی غیر متلو کہتے ہیں جس کا صرف مطلب یہ ہے کہ دین ہے، اور کبھی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کا نام رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین نہیں ہے۔

پھر لیکن ہے کہ سندھی صاحب نے اس مقالہ میں جو ولی اللہ تبرکے لیے دیا ہے۔ اس میں ان کا مطلب سنت سے کچھ اور ہو اور دوسری جگہ کچھ اور مراد لیا مگر جمع کرنے والے نے مدونہ لحاظ تناقض ان دونوں کو جمع کر دیا ہو۔ اور مقام حدیث والے کو شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق غلط فہمی سے موقع مل گیا ہو۔ مشہور ہے:

نقل را عقل باید

پھر اس غلط نقل سے خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر اتنی عقل نہیں کہ ذرا شاہ ولی اللہ کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا تو یہ مسلک ہے کہ حدیث وحی ہونے میں پہلی سادھی کتاب کی طرح ہے اور قرآن ان سے الگ ہے۔ قرآنی وحی تدرات، انجیل، زبور کی طرح نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”دکتاب الہی پیش از قرآن ہر بروش حدیث قدسی بودہ اند الامامہ اللہ لہ
یعنی قرآن مجید سے پہلے کی کتابیں اس طرح تھیں جیسے ہمارے ہاں حدیث قدسی
ہوتی ہے۔
آگے لکھتے ہیں۔

”وہ چیز لازم کتاب الہی است یکے برکات ملکوت و استحسان ملا اعلیٰ و رضائے
ایشان از ہر کہ آں کتاب را خواند و در ترویج آں کو شند و بکھر بجائے کتاب علی
مرالد ہرود و الاخصار و توفیق یافتن امت حفظ آن اگر اس دو معنی مختلف شود
آں کتاب الہی نخواہد بود۔ بلکہ مجبہ از افراد بشر کہ بارادہ خود جمع علم پیغمبر کردہ است۔
مانند صحیح بخاری و صحیح مسلم در ملت ما“ (سطحات طبع جدید ۱۴ ص ۲۴۵)
یعنی کتاب اللہ کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک آسانی برکتیں اور ملا اعلیٰ
کی پسندیدگی اور کتاب کے پڑھنے اور رواج دینے والوں سے رضا مندی۔ دوسری
چیز یہ ہے کہ وہ کتاب طویل زمانوں کے گزرنے پر باقی رہے۔ امت کو اس کے یاد
کرنے کی توفیق ملے۔ اگر کسی کتاب میں یہ دو باتیں نہ ہوں تو وہ کتاب الہی نہ ہوگی بلکہ
وہ کتاب کسی انسان کی جمع کی ہوئی ہوگی جس نے اپنے ارادے سے پیغمبر کا علم جمع کیا
ہے جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہمارے مذہب میں۔

یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کتاب اللہ نہیں بلکہ علم پیغمبر کی کتاب ہے سوا ایک آدمی کی تہذیب
ہے۔ اس تحقیق کے مطابق قرآن ہی صرف کتاب الہی کہلانے کا مستحق ہے۔ مگر کتاب الہی یعنی
شرایت تو رات و انجیل و زبور کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اس معنی سے حدیث الرسول کو بھی کتاب
الہی کہا جاتا ہے اور حدیث میں بابا کلام الرسول پر کتاب اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور اہل حدیث
بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو کتاب الہی یعنی مذکور نہیں سمجھتے بلکہ پیغمبر کے علم کا مجموعہ مانتے ہیں
جن کو امام بخاری اور امام مسلم نے جمع کیا ہے۔ دوسرے معنی سے اس اطلاق کو جائز سمجھتے ہیں

علامہ سندھی اس طرح کہتے ہیں :-

”سلمات میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ رہیں۔ چند ٹکڑوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا۔ عام طور ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آجاتی ہے جو براے راست لفظاً اور معنی مقرر ہو کر نازل ہوئی ہے جیسے تورات کے احکام عشرہ یا انجیل کے بعض خطبات نیز وہ چیز بھی آجاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے امت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب صحیح بخاری و مسلم کو پیش کرتے ہیں :- (دلی اثب نمبر ۲۶۶)

اس عبارت میں علامہ سندھی نے شاہ صاحب کی تحقیق میں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن سے پہلے قطعی کتابیں آنا ہی گئی ہیں سب کی سب بعد میں اقیوں نے جمع کی ہیں۔ کسی نبی نے کتابت کو نہیں لکھایا۔ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھایا گیا ہے۔ پہلے یہ دستور نہیں تھا۔ صرف زبانی وحی الہی کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ بعد میں ائمہ دین بھی جب اپنے نبی کی سیرت اور اقوال جمع کرتے تھے تو ان میں وہ چیز بھی آجاتی ہے۔ جو لفظاً اور معنی مقرر ہو کر نازل ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کو الگ لکھنے کا رواج نہیں تھا بلکہ نبی کی سیرت کے بعض اور گوشے تحریر میں آئے اور ان کی حدیثیں اور اقوال لکھے جاتے تو ان کے اندر وہ ٹکڑے بھی آجاتے جو وحی الہی میں لفظاً اور معنی نازل ہوتے تھے۔ اس امت میں اس کی مثال صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہے۔ یہ دونوں کتابیں اس طرح ہیں جس طرح پہلی آسمانی کتابیں تھیں (فرق صرف اتنا ہے کہ ان کتابوں میں سند نہیں لکھی گئی اور نہ بعد میں حفاظت ہوئی اور ہمارے دین کی کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم تدوین کے بعد محفوظ رہیں اور تدوین سے پہلے زمانہ کے لیے سندیں بھی لکھی گئیں۔ اس لیے کہ ان میں حدیثیں صحیح لکھی گئیں اور ان کے محفوظ رہیں بخلاف

قرأت اور انجیل کے کردہ بے سند ہونے کے ساتھ بعد میں محرت بھی ہو گئیں، پس حدیثوں کے دین ہونے کے بارے میں کس طرح شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

علامہ سندھی کی عبارت نقل کرنے کے بعد کس ڈھٹائی سے یہ لکھتے ہیں:-

”نہ وہی ہیں نہ وہی قرآن کی طرح محفوظ اور اس لیے یقینی نہیں ہیں جس

طرح کتب اناجیل یقینی نہیں ہیں؟ (مقام حدیث ص ۲۴۸)

مگر یہ نہیں سمجھتے تشبیہ غیر وہی ہونے یا غیر محفوظ ہونے میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ نبی کے زمانہ میں حدود میں نہیں ہوئیں، بعد میں مدون کی گئی ہیں، باوجود اس کے کہ بعد میں مدون ہوئیں ان کے لیے دستور العمل نہیں، یعنی نبی کے بعد میں مدون ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل نہ ہو۔ پھر سندھی صاحب نے یہاں تو تصریح کر دی کہ یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وہی سمجھی جاتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پھر ۳۱ کے بعد بھی یہی رٹ لگائے جانا کہ نہ وہی ہے نہ محفوظ۔ کہاں کی دانش مندی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب حدیث کو وہی مانتے ہیں اور یقینی سمجھتے ہیں، اور کتب حدیث آسمانی کتابوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ان کی توہین کرنے والے کو مومنین کی راہ کے مخالف اور مبتدع خیال کرتے ہیں اور نرتہ ناجیر سے اس کو خارج شمار کرتے ہیں۔

پس شاہ ولی اللہ صاحب حدیث کے بہت بڑے معتقد اور حامی ہیں اور آج کل حدیث کی فحشیت اور ہمارے ملک اور ہندوستان میں اس کا چرچا انہی کی وجہ سے ہے۔ پس ایسے شخص کو منکرین حدیث کی صف میں کھرکنا ایسا ہے جیسے انبیاء کو شرک کی حمایت میں پیش کرنا۔

باقی رہے عبید اللہ سندھی صاحب، ان کے کلام میں انتشار ہے، بعض جگہ سنت کا مطلب کچھ اور لیتے ہیں اور بعض جگہ کچھ اور۔ اس لیے ہم ان کو نہ منکرین حدیث میں داخل کرتے ہیں اور نہ ان کے کلام کو اپنی تابعد میں پیش کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں اور نہ ان کے پیش کردہ افکار

بقیہ شیخ محمد حیاتؒ

وفات ۱۔ علم و عمل کا جامع، حدیث نبوی کا یہ خادم ۱۴، صفر المظفر ۱۱۴۳ھ کو جہان فانی سے